

مالی معاملات میں مصلحت کی افادیت اور اس کی عصری معنویت

The Utility of Expediency (Maşliḥat) in Financial Contracts and its Contemporary Scope

* حافظ محمد ابرار اعوان

** ڈاکٹر عبدالباسط خان

** محمد عرفان

Abstract

Monetary system is the most important part of everyday life of human kind. As known that money is considered as one of the basic and necessary need of human beings so ways of earning money which are prohibited and permitted in Islamic Shariah are explicitly described. ALLAH Almighty created humankind and bestowed him the central and most esteemed position in the creational arena. Our lord has bestowed us with His final revelation in form of Al-Quran and its interpretation in form of Sunnah. The muslim jurists have developed their jurisprudence to derive injunctions from the primary sources of shariah; the four principles. The concept and theory of Expediency (Maşliḥat) is admitted and endorsed among all famous juristic schools of Islam. This paper revolves around this question that to what extent this principle has been observed in contemporary financial and fiscal contracts. Opting analytical and somehow critical method the non-interest based banking system and the sale and purchase of

* پی ایچ ڈی سکالر اسلامیات، شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی، لاہور
** اسٹنٹ پروفیسر اسلامیات، شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی، لاہور
** پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف گجرات، گجرات

shares have been brought under discussion to find out the answer of said question. The authors have concluded that the contemporary non-interest-based banking system is difficult to be justified within the juristic limits except with the principle of expediency. However, transactions in stock markets have been justified by its supporters under the juristic principles and it has no need to align with the principle of expediency. Moreover, the authors are of this view that some more in-depth research on the character of this principle of expediency in the context of modern Ijtihad is a dire need of time to fix the utility of this principle in solving the challenges of modern era.

Key Words: Theory of expediency; non-interest-based banking; stock market; Islamic jurisprudence

مصالحِ خمسہ ضروریہ میں سے ایک اہم مصلحت حفظ مال یعنی مال کی حفاظت ہے۔ قرآن کریم نے ایک طرف ﴿وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾¹ کے ذریعے مال کی اہمیت کا ذکر کیا اور دوسری طرف اس کے کمانے کا بھی حکم دیا۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾² کے انتہائی بلیغ جملہ میں کسبِ حلال کے تمام ناجائز ذرائع پر پابندی بھی لگائی اور کسب کے سب سے اہم اور کثیر الوقوع ذریعہ یعنی تجارت کو مباح بھی فرمایا۔ شریعت میں اس مقصد یا مصلحت کے حصول کیلئے بڑے مفصل احکام دیئے گئے ہیں۔ مالی معاملات پر مشتمل حدیث کے ابواب کسی طرح بھی عقائد و عبادات کے ابواب سے کم نہیں ہے۔ جدید معاشیات میں دولت کے چار اہم شعبوں (پیدائش دولت، تبادلہ دولت، صرف دولت، تقسیم دولت) میں سے پیدائش دولت پر سب سے زیادہ زور صرف کیا گیا ہے اور یہ جو ایک طرف دولت کا ورم اور دوسری طرف فقر کا انحاء آج نظر آ رہا ہے یہ سب اسی افراط و تفریط کا شاخسانہ ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں سب سے زیادہ تقسیم دولت پر توجہ دی گئی ہے۔ قرآن میں پیدائش دولت پر قطعی دلالت نصوص شاید دس کے عدد کو بھی نہ پہنچیں مگر بیسیوں آیات ہیں جو بذل و انفاق کی ترغیب و تحریش پر مشتمل ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مال کے کسب و انفاق کا معاملہ ایک سرنگ کا سا ہے۔ اگر ایک طرف سے ایک سرنگ کو بھرنا شروع کر دیا جائے اور دوسری

1 الحجۃ، ۶۲: ۱۱

2 النساء، ۴: ۲۹

طرف سے نکالنے کا کوئی اہتمام نہ کیا جائے تو اس غار کے خراب و فساد پر منتج ہو گا۔ اس سرنگ کو بھرنے کی ترغیب بہت زیادہ نہیں دینی پڑتی اس لیے کہ مال کی محبت فطری ہے بلکہ رگ و پے میں سرایت کی ہوئی ہے۔ ﴿وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾³ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ⁴ اب اگر ایک نظر موجودہ دور کے معاشی نظام پر ڈالیں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ یہ نظام، نظام سرمایہ داری ہے۔ یورپ کے صنعتی انقلاب کے بعد بڑے کاروبار کیلئے بڑے سرمایہ کی ضرورت تھی جو ظاہر ہے کہ ایک شخص مہیا نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا بینکاری کی صورت میں ایک ایسا نظام وضع کیا گیا جس میں بنک کو مالیاتی ثالث (Financial Intermediator) کے وظائف سونپے گئے۔ جہاں لوگ اپنی بچتیں (Savings) سود کے حصول کی خاطر جمع کرواتے تھے اور ان رقموں کے بڑے بڑے مجموعے سرمایہ داروں (Capitalists) کو سود پر دیے جاتے تھے۔ ایک طرف یہ نظام اپنے شباب کی طرف رواں دواں تھا اور دوسری طرف مسلمانوں کے ہاں خلافت کے سقوط کے بعد نوآبادیاتی نظام (Colonial System) ان علاقوں پر پے چکا تھا۔ اب جب استعمار نے مسلم مقبوضات سے رخت سفر باندھا تو پیچھے ایک ایسا سیاسی و معاشی نظم چھوڑا جو نہ چاہتے ہوئے بھی آج آزاد مسلم دنیا پر حکمران ہے۔ سیاست ہو یا معیشت مسلمان انہی کے غلام ہیں۔

غیر سودی بینکاری اور اصول مصلحت کا استعمال

مسلمانوں کے ہاں بینکاری نظام کے روایتی سود کے تصور پر بہت کچھ کھا گیا اور دور از کار تاویلات کی گئیں تاکہ بینکاری کے سود کو مسلم روایتی تصور سود سے جداگانہ درجہ مل سکے اور معروف معنوں میں وہ حلال (Permissible) ہو جائے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ غیر سودی بینکاری کے مختلف ماڈلز تشکیل دیے جانے میں اتنی تاخیر ہوئی۔ غیر سودی بینکاری کا موجودہ ماڈل کہیں 80ء کی دہائی میں اپنی ابتدائی شکل میں وجود میں آیا تھا اور پھر دھیرے دھیرے تنقید و تحقیق کے نتیجے میں اب یہ نکھرتا جا رہا ہے۔ یوں تو اس نظام کے تمام گوشوں کو اصول مصلحت کی رعایت کے حوالے سے دیکھا جانا چاہیے۔ لیکن یہ بجائے خود ایک مفصل تحقیقی مقالہ کا متقاضی ہے یہاں چونکہ ہر شعبہ میں اس مذکورہ اصول کی رعایت کے چند نظائر پیش کرنا مقصود ہے، لہذا اس دست غیر سودی بینکاری میں یومیہ بنیادوں پر نفع کی تقسیم (On the basis of daily products) کا طریقہ کار اصول مصلحت کے تحت ذکر کیا جا رہا ہے۔

نفع کے تناسب کا مجہول ہونا

وہ لوگ جو بینک کی تاسیسات میں سرمایہ لگاتے ہیں وہ بینک کے ساتھ شراکت کا معاملہ کرتے ہیں جبکہ وہ حضرات جو بینک میں کھاتہ دار ہوتے ہیں وہ بینک کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرتے ہیں۔ اب صورتحال رواحتی بینکنگ میں یہ ہوتی ہے کہ کھاتہ دار (Fixed Deposit) میں رقم رکھواتا ہے تو اسے رقم نکلوانے کا اختیار تو نہیں ہوتا لیکن رقم ہر وقت

³ الفجر، ۸۹: ۲۰

⁴ العادیات، ۱۰۰: ۱۰۰

رکھوانے کا اختیار ضرور ہوتا ہے۔ بلا سود بینکاری میں مشکل یہ ہے کہ عقد مشارکت ایک متعین سرمائے سے جب شروع ہو جاتا ہے تو عقد کے درمیان کسی نئے شریک کا سرمایہ بھی نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ پھر از سر نو عقد شرکت شروع کرنا پڑے گا اور نہ ہی کوئی فریق اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کا کچھ حصہ نکال سکتا ہے، کیونکہ ایسی صورت میں بھی عقد شرکت ختم ہو جائے گا۔ معاصر علماء کے ہاں غالباً اس مشکل کا اسکے علاوہ اور کوئی حل نہیں ہے کہ شرکت کے روایتی تصور میں اس جدت کو تسلیم کر لیا جائے کہ رواں شرکت میں کوئی شریک شرکت سے نکل بھی سکتا ہے درآنحالیکہ وہ شرکت رواں ہی رہے گی اور اس رواں شرکت میں ایک نیا شریک شامل بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ ان علماء کا کہنا ہے کہ اسکے بغیر بینکنگ کا کاروبار چل نہیں سکتا۔ اب جو شخص اس رواں شرکت میں سے اپنا حصہ نکالنا چاہتا ہے اسکے حصے کی بریک اپ ویلیو (Break Up Value) متعین کر کے اسکے مطابق اسکا حصہ اسے واپس مل جائے گا۔ مثلاً اس نے اٹھارہ ہزار روپیہ مضاربت کھاتے میں تین سال کی مدت کے لیے جمع کر لیا مگر ایک سال کے بعد اسے اپنی رقم واپس لینا پڑی تو اس کے اس حصہ (رقم) کی وہ ویلیو متعین کی جائے گی جو کمپنی (بینک) تحلیل ہونے کی صورت میں ہوتی، یہی بریک اپ ویلیو ہے۔ اسکے مطابق اسکا حصہ واپس دے دیا جائے گا۔⁵

ایسی صورت میں نفع کی تقسیم کے لیے یومیہ بنیاد کا فارمولہ متعارف کرایا گیا ہے۔⁶ بطور مثال فرض کریں مشارکت کی کل مدت ایک سو دن ہے مدت کی ابتداء ہی میں عمر نے پانچ ہزار (۵۰۰۰) اور بکر نے دس ہزار (۱۰۰۰۰) جمع کر دئے پھر ان دونوں نے پوری مدت میں کوئی رقم نہیں نکلوائی۔ انکے مقابلے میں زید نے شروع میں پانچ ہزار جمع کرائے اور دس دن بعد وہ نکلوائے آخر کے دس دنوں میں پانچ ہزار روپے پھر جمع کرائے۔ اب

ان سو دنوں کا سرمایہ = سولہ لاکھ (۱۶۰۰۰۰۰)

عمر کے پانچ ہزار ۵۰۰۰×۱۰۰ دن = ۵ لاکھ (۵۰۰۰۰۰)

بکر کے دس ہزار ۱۰۰۰۰×۱۰۰ دن = ۱۰ لاکھ (۱۰۰۰۰۰۰)

زید کے پانچ ہزار ۵۰۰۰×۲۰ دن = ۱ لاکھ (۱۰۰۰۰۰)

۱۰۰ دن میں کل ۱۶ لاکھ روپے استعمال ہوئے تو ایک دن میں ۱۶ ہزار روپے استعمال میں رہے۔ اگر کل نفع آٹھ ہزار ۸۰۰۰ روپے ہو تو یومیہ بنیاد کے حساب سے عمر کا نفع ہو ۲۵۰۰ روپے اور بکر کا نفع ہو ۵۰۰۰ روپے اور زید کا ۵۰۰ روپے۔ اس نفع کی تقسیم کے طریقے پر دو اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ تقسیم تخمینہ اور ظنی ہے، حقیقی نہیں۔ اس لیے کہ اوپر کی مثال میں یہ ممکن ہے کہ ۸۰۰۰ روپے کا نفع درمیان کے دنوں میں ہوا ہو اور شروع اور آخر کے دنوں میں جن میں زید کی رقم لگی رہی، کچھ نفع نہ ہوا ہو۔ لہذا زید کو ایسے ہی بلاوجہ دوسروں کے سرمایوں پر ہونے والے نفع میں سے

⁵ شرکت و مضاربت عصر حاضر میں، کراچی، ص ۳۸۳۔

⁶ شرکت و مضاربت عصر حاضر میں، ص ۳۵۸-۳۸۹، اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص ۱۳۶۔

۵۰۰ روپے مل گئے۔ ڈاکٹر عمران اشرف عثمانی نے خود ہی اس اعتراض کو ذکر کیا ہے⁸ اور خود ہی اسکا مندرجہ ذیل جواب دیا ہے۔

“This argument can be refuted on the ground that it is not necessary in a Musharakah that a partner should earn profit on his own money only. Once a Musharakah pool come into existence all the participants regardless of whether their money is or is not utilized in a particular transaction earn the profit accruing to the joint pool. This is particularly true of the Hanafi school which does not deem it necessary for a valid musharakah that the monetary contribution of the partners are mixed up together.”

مولانا کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ مشارکت میں یہ ضروری⁹ نہیں کہ ہر شریک صرف اپنے سرمایہ پر نفع حاصل کرے۔ شراکت کے بعد اگرچہ صرف ایک شریک کا سرمایہ استعمال ہوا لیکن نفع میں دیگر شرکاء بھی شریک ہوتے ہیں۔ لیکن یہ جواب اس لیے غلط ہے کہ جب ایک شریک نے کچھ عرصہ بعد اپنی رقم نکلوالی تو یہاں تو شراکت ہی باقی نہیں رہی خصوصاً جبکہ وہ شریک (Sleeping Partner) ہو اور وہ اپنا کل سرمایہ (Active Partner) سے واپس لے لے۔ اگر کل سرمایہ نہ لے بلکہ نصف ہی لے لے پھر بھی شراکت باطل ہوگئی کیونکہ سرمایوں کے نئے تناسب (Ratios) سے نئے عقد کی ضرورت ہوگی۔¹⁰ دوسرا اعتراض یومیہ بنیادوں پر نفع کی تقسیم پر یہ ہوتا ہے کہ جب شراکت کے رواں کھاتوں میں کھاتے دارر قمیم نکلواتے اور رکھواتے رہتے ہیں تو اس المال کا علم ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس اعتراض کو بھی خود ہی ذکر کر کے مولانا ڈاکٹر عمران اشرف نے یہ جواب دیا ہے کہ ہمارے حنفیہ کے ہاں شراکت کے جواز کے لیے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ اس المال کی مقدار معلوم نہ ہو۔¹¹ کیونکہ ایسی جہالت منفضی الی النزاع نہیں ہے۔

7 فقہی مضامین، ص ۲۹۲-۲۹۳؛ اسلامی نظام معیشت کے تناظر میں موجودہ اسلامی بینکنگ پر ایک تحقیقی فتویٰ، ص ۱۰-۱۲

⁸ Meezan Bank's Guide to Islamic Banking, p- 178

⁹ فقہی مضامین، ص ۲۹۳-

¹⁰ شرکت و مضاربت عصر حاضر میں، ص ۳۹۲-۳۹۳

¹¹ بدائع الصنائع، ۶/۵۷

"لنا أن الجهالة لا تمنع جواز العقد بعينها بل لا فضائها إلى المنازعة وجمالة رأس المال وقت العقد لا تفضى إلى المنازعة لأنه يعلم مقداره ظاهراً أو غالباً لأن الدراهم والتنانيز توزان وقت الشراء فيعلم مقدارها فلا يودى إلى جهالة مقدار الربح وقت القسمة"¹²

یعنی ہمارے ہاں (حنفیہ کے ہاں) جہالت مفسد عقد نہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جہالت بذات خود عقد کے جواز کے لیے مانع نہیں ہوتی بلکہ مفضی الی المنازعة ہونے کی وجہ سے مانع ہوتی ہے اور عقد کے وقت اس المال کی جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے۔ کیونکہ عام طور سے سامان کی خرید کے وقت چونکہ دراهم و دنانیر کو تو لا جاتا ہے اس لیے اس وقت اسکی مقدار معلوم ہو جاتی ہے لہذا نفع کی تقسیم کے وقت نفع کی مقدار بھی مجہول نہیں رہتی۔ لیکن علامہ کاسانی کی اس عبارت سے یہ استدلال کہ حنفیہ کے ہاں سرمائے کا علم ہونا شرط نہیں، بجائے خود غلط ہے۔ اس لیے کہ اس عبارت میں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ جب بوقت عقد شرکت دراہم سامنے دیئے گئے تو انکا اجمالی علم یعنی مقدار حاصل ہو گئی۔ ان دراہم کا وزن کر کے انکا تفصیلی علم (مقدار) ضروری نہیں ورنہ یہ مطلب نہیں کہ سرے سے سرمائے کا بالکل ہی علم ہونا ضروری نہیں ورنہ تو شرکت بالاموال کی حقیقت ہی ختم ہو جائے گی۔¹³ یومیہ بنیادوں پر نفع کی تقسیم کی ایک دلیل یہ دی گئی ہے۔¹⁴ کہ حدیث میں آتا ہے کہ "المسلمون علی شروطہم"¹⁵ یعنی اگر مسلمان آپس میں کوئی شرط کر لیں جو صریح احکام شریعت کے خلاف نہ ہو تو یہ شرط معتبر ہوگی۔ لیکن یہ دلیل بھی غلط ہے اسلئے کہ یہاں صرف ایک کا نفع دوسرے کو نہیں دیا جاتا بلکہ ایک کا نقصان بھی دوسرے کے سر چلا جاتا ہے۔ ظاہر ہے پھر معاملہ اس حدیث کا مصداق نہیں بن سکتا۔ مجوزین کا کہنا ہے کہ اگرچہ معاصر اسلامی بینکاری میں نفع کی تقسیم تخمینی ہے تاہم یہ تقسیم شرکت کے کسی بنیادی اصول سے متصادم نہیں ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ جب شریک نے رواں شرکت میں سے اپنا حصہ نکال لیا تو شرکت ہی ختم ہو گئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض حنبلی فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے کہ شرکاء ابتداءً شرکت میں یہ طے کر سکتے ہیں کہ کسی ایک شریک کے حصہ واپس لینے پر مشارکہ ختم نہیں ہو گا تا آنکہ تمام شرکاء یا اکثر شرکاء مشارکہ ختم کرنے پر راضی ہو جائیں۔

¹² فقہی مضامین، ص ۲۹۰

¹³ شرکت و مضاربت عصر حاضر میں، ص ۳۹۴

¹⁴ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضية، باب فی الصلح، ج ۲ ص ۳۵۷

¹⁵ صحیح مسلم، کتاب المساقاة، استجاب الوضع من الدین، ۳/۱۱۹۱، ج ۱۵۵۶

اس مذکورہ بحث میں اصل الاصول مصلحت ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اغیار کے دیے ہوئے نظام کو جب اسلامیانے (Islamize) کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو پھر ایک طرف حقیقی ورثے میں موجود آراء کو فقہی مسالک کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اختیار کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور دوسری طرف معین نظائر نہ ہونے پر آخر کار اُسے ہی اپنانا پڑتا ہے جو "أوفق بالناس" اور "أصلح للعوام" ہو ورنہ وہی نظام ہے جو "فاذنوا بحرب من الله ورسوله" کی حقیقی دھمکی ہے۔ اسی بینکاری نظام کی یہی ایک خوبی ہے جو قوت فیصلہ کو اس کے حق میں ایک وجہ ترجیح فراہم کرتی ہے۔

حصص کی خرید و فروخت

بینکاری نظام کی ثالثی کے ذریعے بڑے سرمایہ کے حصول کا راستہ آسان ہو گیا ہے۔ تاہم ظاہر ہے کہ بینک بھی ایک حد سے زیادہ قرض جاری نہیں کر سکتا لہذا عوام کو بڑے کاروبار بصورت کمپنی میں شریک کرنے کیلئے جدید معاشی نظام میں بازارِ حصص کی صورت میں ایک ایسا مرکز فراہم کیا گیا جہاں وہ کمپنیوں میں موجود حصص کا لین دین کر سکیں۔ پبلک لمیٹڈ کمپنی کا تعلق عوام سے ہوتا ہے۔ اس لیے حکومت اس طرح کی کمپنی کی تشکیل کیلئے باقاعدہ اہتمام کرتی ہے۔ کمپنی پہلے ایک رپورٹ تیار کرتی ہے جس میں کاروبار کے چلنے کے امکانات، وسائل، درکار سرمایہ اور امکانی نفع وغیرہ جیسے امور ذکر ہوتے ہیں۔ اسے (Feasibility Report) کہتے ہیں۔ پھر کمپنی کا اجمالی ڈھانچہ (Memorandum) تیار ہوتا ہے۔ پھر

انتظامی قواعد و ضوابط (Articles of Association) لکھے جاتے ہیں۔ پھر Corporate law authority کو ان مذکورہ بالا چیزوں سمیت ایک درخواست دی جاتی ہے۔ درخواست منظور ہونے پر کمپنی کی ایک مستقل حیثیت بن جاتی ہے۔ اسی کو شخص قانونی (Legal person) (Fictitious person) یا فرضی شخص (Fictitious person) کہتے ہیں۔ اب لوگوں کو کمپنی میں حصہ دار (Share Holder) بننے کی دعوت دینے کے لیے ایک تعارفی کتابچہ (Prospectus) شائع کیا جاتا ہے۔ عوام سے کمپنی جو سرمایہ حاصل کرے گی اس کی تحدید کر دی جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر کمپنی کو حصص (Shares) جاری کرنے کا مطلق اختیار نہیں ہوتا بلکہ اس کی تحدید ہوتی ہے۔ حصہ (Share) بنیادی طور پر اس منظور شدہ سرمایہ کی ایک اکائی ہے۔

کمپنی چونکہ ایک شخص قانونی (Juristic Person) ہے اور اسلام میں حقیقی جیتا جاگتا شخص ہی مکلف ہوتا ہے۔ کسی جامد چیز کو ظاہر ہے کہ مکلف نہیں بنایا جاسکتا۔ کمپنی مدعی بھی ہوتی ہے اور مدعی علیہ بھی تکلیف (ذمہ داری) کے اس جدید تصور کو فقہ اسلامی میں قابل قبول بنانے کیلئے چند نظائر پیش کیے گئے ہیں۔

شخص قانونی کے نظائر

1۔ وقف بھی ایک طرح کا شخص قانونی ہے۔ وہ مالک ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اپنی کسی چیز کو وقف کرتا ہے تو وقف کا ادارہ اس کا مالک ہوتا ہے اور وہ شیء مملوک ہوتی ہے۔ وقف دائن بھی ہوتا ہے۔ جیسے ارض موقوفہ کو کوئی شخص کرایہ پر لے تو یہ کرایہ وقف کا دین ہے۔ اسی طرح وقف عدالتی دعویٰ میں مدعی اور مدعی علیہ بھی ہوتا ہے۔

- ۲۔ بیت المال بھی شخص قانونی کی نظیر ہے۔ بلکہ بیت المال کا ہر حصہ شخص قانونی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر بیت المال کے ایک حصہ میں مال نہ ہو تو بقدر ضرورت دوسرے حصے سے قرض لیا جاسکتا ہے۔ مقدم الذکر حصہ مدیون ہے اور موخر الذکر دائن ہے۔ لہذا اس میں بھی شخص قانونی کی صفات پائی جاتی ہیں۔
- ۳۔ ترکہ مستغرقہ بالمدین بھی شخص قانونی کی نظیر ہے۔ کسی میت کا سارا ترکہ دیون سے مستغرق ہو تو اس صورت میں دائنین کا مدیون نہ میت ہے، اس لیے کہ مرنے کے بعد کوئی شخص مدیون نہیں ہوتا اور نہ ورثہ مدیون ہیں اس لیے کہ ان کو تو میراث ملی ہی نہیں لہذا یہاں مدیون ترکہ ہو جو شخص قانونی ہے۔
- ۴۔ خلطۃ الشیوع: ماسوا حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کے ہاں مال زکوٰۃ کئی شخصوں میں مشاع طور پر مشترک ہو تو زکوٰۃ انفرادی طور پر حصوں پر نہیں بلکہ مجموعے پر ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ مجموعہ ایک شخص قانونی ہے۔ اگر کمپنی کی حیثیت بطور شخص قانونی کے تسلیم بھی کر لی جائے پھر ایک اور سوال اٹھتا ہے وہ یہ کہ کمپنی کی ذمہ داری تو محدود ہوتی ہے۔ اس لیے اسے (Public Limited Company) کہا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں کمپنی اگر قلاش ہو جائے تو وہی اثاثے حصہ داروں اور قرض خواہوں میں تقسیم ہونگے جو کمپنی کے نام کے تھے۔ ظاہر ہے کہ کمپنی تو اس سے بہت زیادہ وہ رقم قرض لے چکی ہوتی ہے، ایسی صورت میں پھر کسی فقہی نظیر کی مدد لینا پڑے گی اور وہ شرعی نظیر یہ ہے۔ عقد مضاربت میں جب تک رب المال مضارب کو دوسروں سے قرض لینے کی اجازت نہ دے اس وقت تک رب المال کی ذمہ داری اس کے سرمائے تک محدود رہتی ہے۔ اگر مضارب نے رب المال کی اجازت کے بغیر قرضے لے لیے تو مضارب بھی اس کا ذمہ دار ہو گا۔ یہاں سے شریعت میں محدود ذمہ داری کے تصور کی ایجاد ملتی ہے۔ لیکن ایک اشکال باقی رہتا ہے وہ یہ کہ یہاں مضاربت میں اگر رب المال نہیں تو کم از کم مضارب تو ذمہ دار ہوتا ہے جس سے دائنین کا ذمہ خراب نہیں ہوتا، یعنی ان کی رقم بالکل نہیں ڈوبتی جبکہ کمپنی کو قرض دینے والے اداروں کی رقم بالکل ڈوب جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت معاذ کی تصحیح فرمانے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا ”خذوا ما وجدتم لیس لکم إلا ذلک“ 16

16 تھانوی، اشرف علی، مولانا، امداد الفتاویٰ، کراچی، مکتبہ دارالعلوم، س۔ ن۔ ۳/۵۱۲-۴۸۶؛ مولانا تھانوی کے ہاں یہ منقح تفصیل تو نہیں ملتی البتہ مولانا نے ان مندرجہ بالا شرائط میں سے بعض کا تذکرہ کیا ہے۔ اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص ۸۹-۸۶؛ شرکت و مضاربت عصر حاضر میں، ص ۳۳۲-۳۳۲؛ فتویٰ دارالعلوم دیوبند (www.darulifta-deoband.org)؛ اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ، (جدید فقہی مباحث، ۱۶/۱۹-۱۸)؛ فتویٰ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی، مؤرخہ ۲۶ محرم ۱۴۲۷ھ؛ عظمت اللہ بنوی، مولانا، شیئرز کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت، (سہ ماہی) المباحث اسلامیہ، مارچ جون، ۲۰۰۶ء، ص ۲۲-۲۲؛ محمد طاہر مسعود، مفتی، حصص کی

فقہ میں لمیٹڈ کمپنی کی ایک دلچسپ نظیر موجود ہے جو لمیٹڈ کمپنی سے نہایت قریب ہے۔ وہ عبدآذون فی التجارۃ ہے۔ اسے آقا کی طرف سے تجارت کی اجازت تو ہوتی ہے تاہم اگر اس پر دیون واجب ہوں تو اس غلام کی اپنی قیمت کی حد تک محدود ہوں گے۔ اس سے زیادہ کا نہ غلام سے مطالبہ ہو سکتا ہے نہ آقا سے۔ اب اگر غور کیا جائے تو ان شرعی نظائر کے پس پردہ بھی مصلحت کا اصول ہی کار فرما ہے۔ تمدن کی ترقی سے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں دین اسلام کا نقطہ نظر توسع پر مبنی ہے۔ ورنہ بندوں کے مصالح یعنی حقوق فرائض ضائع ہو جائیں گے اور شریعت اسلامیہ کا دعویٰ "صالحة لکل زمان و مکان" محل نظر ہو جائے گا۔ اجتہاد استنباطی کے پہلو بہ پہلو اجتہاد استصلاحی کا بے محل و بے دروغ استعمال دین کو تقابلی حیثیت سے انفعالی حیثیت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ چونکہ بازار حصص میں شیئرز کی تجارت اندازوں (Estimates) اور تخمینوں (Speculation) پر مدار رکھتی ہے لہذا اس بات کی دلیل پیش کرنا ہوگی کہ تخمینوں کے ذریعے کی جانے والی خرید و فروخت صحیح ہے اور یہ سٹہ نہیں ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ سٹہ کی حقیقت دو باتوں میں دائر ہے۔ اول یہ کہ سٹہ وہ ہوتا ہے جس میں ایک طرف سے ادائیگی متعین ہو اور دوسری طرف سے موہوم ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس طرف سے ادائیگی ہو رہی ہے اسکی رقم دو باتوں میں دائر ہو یا تو یہ رقم خود بھی ڈوب جائے گی یا اور رقم کو کھینچ کر لائے گی۔ ظن و تخمین پر مشتمل ہر معاملہ اور بیع ناجائز نہیں ہوتی بلکہ شرعی رعایت نہ رکھنے سے معاملہ ایسا بن جاتا ہے۔

باقی یہ بات کہ اسلام میں معاملات کی جو صورتیں بتائی گئیں ہیں کمپنی ان میں سے کس صورت کے تحت داخل ہوتی ہے، سو اس کا جواب علماء کے ہاں۔ یہی ہے کہ یہ شرکت عنان ہے۔ شرکت عنان اس شرکت کو کہتے ہیں جس میں دو یا دو سے زیادہ افراد اس طرح شریک ہوں کہ ہر ایک کا سرمایہ، عمل، حقوق و نفع مساوی نہ ہوں اس میں ہر شریک دوسرے کا صرف وکیل ہوتا ہے کفیل نہیں ہوتا۔ شرکت کی اس قسم میں شرائط بہت نرم ہیں۔ شیئرز خریدنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ بعض لوگ کمپنی میں حصہ دار بننے کے لیے شیئرز خریدتے ہیں اور اپنے پاس رکھ کر سالانہ منافع حاصل کرتے ہیں۔ مگر ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔

۲۔ اکثر لوگ شیئرز کو مال تجارت سمجھ کر اس کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ شیئرز کی قیمت چونکہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اس لیے جب شیئرز کی قیمت کم ہو تو خرید لیتے ہیں اور جب بڑھ جائے تو بیچ دیتے ہیں۔ ایسی تجارت اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کو (Capital gain) کہتے ہیں۔ چونکہ ایسی تجارت میں یہ اندازہ پہلے سے لگانا ہوتا ہے کہ آئندہ کس کمپنی کے شیئرز کی قیمت بڑھے گی اور کس کمپنی کے شیئرز کی قیمت کم ہوگی۔ اس اندازہ لگانے کو تخمین یا سٹہ (Speculation) کہتے ہیں۔ پھر شیئرز کی خریداری کے تین طریقے ہیں۔

خرید و فروخت، (سہ ماہی) المباحث الاسلامیہ، جون ستمبر، ۲۰۰۴ء، ص ۳۸-۳۷؛ مفتی نظام الدین کے ہاں دار الحرب میں جواز سود کی وجہ سے حصص کی خرید جائز رکھی گئی ہے۔ نظام الفتاویٰ، ۱/۲۵۲۔

۱- حاضر سودا: (Spot sale) اس میں عام تجارت کی طرح شیئرز بیچ کر قیمت وصول کر لی جاتی ہے۔ البتہ مشتری کا شیئر کے سرٹیفیکیٹ پر قبضہ عموماً ایک ہفتے بعد ہی ہوتا ہے۔

۲- (Sale on Margin) اس میں شیئرز کی قیمت کا کچھ حصہ ابھی ادا کر دیا جاتا ہے جبکہ باقی ادھار رکھا جاتا ہے۔ چونکہ بازار حصص میں خرید و فروخت عموماً دلالوں (بروکرز) کے ذریعے ہوتی ہے اس لیے خریدنے والا یہ ادھار کا معاملہ اسی دلال سے کر لیتا ہے۔ وہ اپنے دلالوں کو کہہ دیتا ہے کہ تم میرے لیے اس کمپنی کے شیئرز خرید لو میں اتنے فیصد رقم ابھی تمہیں دیتا ہوں باقی تم اپنی طرف سے ادا کرو میں بعد میں تمہیں ادا کرونگا۔ دلال اس قرض پر بسا اوقات سود بھی لیتے ہیں۔

۳- (Short Sale) یہ درحقیقت بیع غیر مملوک ہے۔ کیونکہ اس میں بائع ایسے شیئرز فروخت کرتا ہے جس پر اس کا قبضہ ابھی نہیں ہوا لیکن اسے توقع ہے کہ وہ خرید کر مشتری کو دے دیگا۔

پھر شیئرز کے سودے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک کو حاضر سودا (Spot Sale) اور دوسرے کو غائب سودا (Forward Sale) کہتے ہیں۔

حاضر سودے میں شیئرز کی بیع بھی اسی وقت ہو جاتی ہے اور منتقلی بھی اسی وقت ہو جاتی ہے۔ خریدار ابھی سے شیئرز لینے کا حقدار ہوتا ہے مگر بعض انتظامی مجبوریوں کی بناء پر شیئرز کے سرٹیفیکیٹ کی ادائیگی میں تاخیر ہوتی ہے۔ جب کوئی شیئر خریدتا ہے تو اس خریداری کا اندراج فوری طور پر سودوں کے کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ میں ہو جاتا ہے۔ بازار حصص ان سودوں میں فریقین کی ذمہ داریوں کی ضمانت دیتا ہے۔ یہاں سودے کے تین دن بعد خریدار کو طے شدہ قیمت ادا کرنی ہوتی ہے اور بیچنے والے کو بیچے ہوئے حصص کی ڈیلیوری دینی ہوتی ہے۔ ڈیلیوری کا مطلب حصص کی بیع میں یہ ہوتا ہے کہ جس کمپنی کے حصص بیچ گئے ہیں اس کمپنی کے ریکارڈ میں سی ڈی سی کے ذریعے ان حصص کی منتقلی خریدار کے نام ہو جاتی ہے۔ غائب سودوں میں بیع تو ابھی ہو جاتی ہے مگر مستقبل کی طرف مضاف ہوتی ہے۔ پھر جس تاریخ کو ادائیگی طے کی گئی تھی، اس تاریخ کے آنے پر کبھی تو حقیقتاً شیئرز خریدار کے حوالے کر دیے جاتے ہیں اور کبھی اس خاص تاریخ میں شیئر کی قیمت میں جو کمی بیشی آئی ہے وہ برابر کر لی جاتی ہے۔ بطور مثال یکم جون کو PSO کے شیئر کی قیمت ۱۵۰ روپے بتاریخ ۱۵ جون ادائیگی و حوالگی طے ہوئی۔ ۱۰ جون کو اس شیئر کی قیمت ۱۶۰ ہو چکی ہے تو اب بائع خریدار کو شیئر دینے کی بجائے دس روپے دے دے گا اور قیمت ۱۴۰ ہو گئی تو خریدار بائع کو دس روپے دے دے گا۔ غائب سودے میں تاریخ مقررہ آنے تک وہ شیئر کئی ہاتھوں میں فروخت ہو چکا ہوتا ہے۔ مجوزین میں سے مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی محمد شفیع، مولانا تقی عثمانی، دارالعلوم کراچی، جامعہ بنوریہ کراچی اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے حضرات کے نزدیک جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے، مثلاً سودی بینک، انشورنس کمپنی، شراب بنانے والی کمپنی، ان کے شیئرز خریدنا ناجائز ہے۔ البتہ جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہے، ان کے شیئرز کی خرید و فروخت تین شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

۱۔ کمپنی نے نقد سرمایہ سے املاک مثلاً زمین، مشینری، بلڈنگ وغیرہ خرید لی ہوں۔ اگر ایسا نہیں تو پھر شیئر کی قیمت اسمیہ (Face value) سے زائد یا کم قیمت پر اسے فروخت کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ ایسی صورت میں شیئر صرف نقد کی نمائندگی کر رہا ہے تو کمی یا زیادتی پر بیع، سود ہو جائیگی۔ مثلاً اگر شیئر پر اس کی قیمت ۱۰۰ روپیہ لکھی ہے اور کمپنی کے پاس املاک نہیں صرف نقد روپیہ ہے تو یہ ۱۰۰ روپیہ کا شیئر ۱۰۰ روپیہ کے بدلے میں ہے اگر اسے ۹۸ یا ۱۱۰ روپے پر بیچ دیا تو یہ سودی معاملہ ہو جائے گا۔

۲۔ چونکہ کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حلال ہے مگر انہیں رقوم بینک میں رکھ کر سود لینا پڑتا ہے یا قرض لے کر سود دینا پڑتا ہے تو شیئر ہولڈرز سالانہ عام اجلاس (A.G.M.) میں ان سودی معاملات کے خلاف آواز اٹھائیں اگر چہ ان کی یہ آواز بظاہر موثر نہ بھی ہو۔

۳۔ جب منافع تقسیم ہوں تو جتنا حصہ سودی ڈیپازٹ سے حاصل ہوا ہو، اس کو صدقہ کر دے۔¹⁷ یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جب مقصود کسی کمپنی کے شیئرز خرید کر اس کمپنی کے کاروبار کے منافع حاصل کرنا مقصود ہو۔ باقی اگر مقصود محض تجارت (Capital Gain) ہو جس میں شیئرز خریدنا اور بیچنا اور اس سے نفع حاصل کرنا ہو تو اس کا حکم مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ فیوچر سیل (Future Sale) جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہو تا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع و نقصان برابر کر لینا ہوتا ہے، جائز نہیں۔ اس میں نہ تو شیئرز پر قبضہ ہوتا ہے اور نہ ہی قبضہ پیش نظر ہوتا ہے۔

۲۔ غائب سودے (Forward Sale) جس میں بیع تو ہو جاتی ہے لیکن اضافت مستقبل کی طرف ہوتی ہے کہ میں فلاں تاریخ کو اتنے شیئرز تم سے خرید لوں گا، یہ بیع نہیں وعدہ بیع ہے۔ مقررہ تاریخ آنے پر دوبارہ باقاعدہ کرنا ہوگی۔

۳۔ حاضر سودوں میں بھی جب تک شیئرز پر قبضہ نہ ہو جائے اس وقت تک اسے آگے بیچنا جائز نہیں۔¹⁸ یہاں مولانا تقی عثمانی اور دارالعلوم کراچی کے حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ شرعاً جسے قبضہ کہا جاتا ہے وہ (Delivery) کے ساتھ متحقق ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بائع جس کمپنی کے حصص بیچ رہا ہے اس کے ریکارڈ میں انتقال مشتری کے نام کا کرے۔¹⁹

¹⁷ اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ص ۹۲-۹۱؛ شرکت و مضاربت عصر حاضر میں، ص ۳۴۵-۳۴۴؛ جدید فقہی مباحث، ص ۱۶/۱۰؛ حصص کی خرید و فروخت، ص ۳۹؛ شیئرز کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت، ص ۲۶-۲۵

¹⁸ اسٹاک ایکسچینج میں شیئرز کی خرید و فروخت اور ان پر قبضہ سے متعلق حکم شرعی کی تحقیق، دارالافتاء دارالعلوم، کراچی، (ماہنامہ) البلاغ، اگست، ۲۰۰۵ء، مدیر محمد تقی عثمانی، مفتی، کراچی، جامعہ دارالعلوم، ص ۱۱۲

خلاصہ بحث

مصلحت کا اصول یوں تو تمام شرعی معاملات میں جاری و ساری ہے اس لیے کہ حکیم و خیر رب کریم نے سبھی احکام انسانوں کے فائدہ کے لیے مشروع فرمائے ہیں تاہم جدید اجتہادی مسائل میں اور خصوصاً معاشرتی معاملات میں بھی اس اصول کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ جہاں تک اسلامی بینکاری کا تعلق ہے تو فقہی دوائر میں ہر ہر مکتبہ فقہ میں قائم اصولوں کے اس نظام بینکاری پر انطباق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ نظام مکمل طور پر سند جواز حاصل نہیں کر پاتا سوائے اس کے کہ ہم اصول مصلحت سے مدد لیتے ہوئے اس نظام کو قبول کر لیں۔ جہاں تک حصص کی خرید و فروخت کا تعلق ہے تو وہاں فقہی نظائر و شواہد اس کو سند جواز فراہم کر رہے ہیں اور اصول مصلحت کی چنداں ضرورت نہیں۔